اقوام متحدہ کا 2030 ترقیاتی ایجنڈا؛ ایک تنقیدی جائزہ

A CRITICAL ANALYSIS OF UN 2020

(SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA)

Hashim Raza Abidi

Abstract:

Looking at the historical and political background, policies and objectives of UNESCO's 2030 agenda and intense criticism by world leaders, academic, political, social, economic experts and UN designates themselves illustrates that these policies and agenda is no way in the interest of our national security, culture and social fabric. According to this article, this agenda will have an incredibly negative impact upon our sovereignty and national & Islamic cultural identity. It will turn out to be a political and cultural suicide or equates giving oneself into socio-economic slavery of others.

Keywords: *civilization, unesco2030, softpower, education, national security.*

خلاصہ

یونیسکو 2030 ایجنڈا کے تاریخی و سیاسی پس منظر، اس کی پالیسیوں، ایجنڈا کے مقاصد اور اس پر مختلف ممالک کے سربراہان، تعلیمی، سیاسی، معاشی اور سماجی ماہرین اور خود اقوام متحدہ کے مختلف شعبہ جات کے ذمہ داران کی طرف سے اٹھائے جانے والے سنگین اعتراضات اور خدشات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان پالیسیوں کا اجرا کسی بھی طرح سے ہماری ملکی سالمیت، ہماری تہذیب اور سماجی نظام کے حق میں نہیں ہے۔ اس کے ہماری سالمیت اور قومی و اسلامی تہذیبی تشخص پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بلکہ اس کا اجرا سیاسی اور تہذیبی خودکشی یا اپنے آپ کو دوسروں کی سماجی و معاشی غلامی میں دینے کے برابر ہے۔

کلیدی کلمات: تہذیب، یونیسکو 2030، سافٹ پاور، تعلیم، قومی سالمیت۔

تعارف

دنیا میں ایک پائیدار تبدیلی کے نام پر بنائی جانے والی اس پالیسی اور اس کے اصل مقاصد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس پالیسی کے اعلان سے پہلے دنیا کے حالات کو سمجھیں اور دیکھیں کہ دنیا میں ایسی کون سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اس پالیسی کی ضرورت پیش آئی؟ دوسرے لفظوں میں عالمی سطح پر کون سا ایسا سماجی و سیاسی خلا وجود میں آیا جسے پر کرنے کے لئے ایک نئے عالمی نظام کی ضرورت محسوس کی گئی؟ مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور اس 2030 کا تنقیدی جائزہ لینے والے تمام شخصیات اور صاحب رائے افراد کی یہ متفقہ نظر ہے کہ: اس پالیسی کا مقصد دنیا بھر میں ایک خاص قسم کی تبدیلی لانا ہے یا یوں کہا جائے کہ دنیا کے ممالک اور قوموں کو ایک نئی عالمی لبرل حکومت کے لئے تیار کرنا ہے اور نئی نسلوں کو ایک مغرب کی لبرل، ضد انسانی و اخلاق کے منافی اقداروں پر استوار کرنا، نئے عالمی سماجی، معاشی وسیاسی نظام کے لئے ذہنی اور فکری طور پر آمادہ کرنا ہے۔

اس نئی عالمی حکومت یا نیو ورلڈ آرڈر کا خدوخال کیا ہوگا؟ اس کا سیاسی اور سماجی نظام کیا ہوگا؟ ان پالیسیوں کے نتیجے میں آنے والی تبدیلیوں کے فوائد کن نادیدہ و دیدہ طاقتوں کو حاصل ہوں گے اور اس کے نقصانات دیگر تہذیبوں اور سیاسی نظاموں پر کس شکل میں ظاہر ہوں گے؟ اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اس پالیسی کا نفاذ اور اجراء ہماری قومی سالمیت اور سماجی نظاموں کی ترقی و بہبود کا سبب بنے گی یا نہ ان کو اور مزید ضعیف کریں گی؟ ان تمام سوالات کے جوابات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ چند اہم مسائل اور موضوعات کا علمی جائزہ لیا جائے۔ ایک، یہ کہ سماجی نظام اور اس میں تعلیم کا مقام و کردار ہے کیا ہے۔ اور دوسرا، یہ کہ ۱۹۹۰ کے بعد دنیا میں پیدا ہونے والا سیاسی خلا ہے اور اس کو پُر کرنے کے لئے پیش کیے گئے تہذیوں کے ٹکراو "کلیش آف سویلائزیشن" جیسے نظریات کا صحیح ادارک کیا ہے؟ تیسرا، یہ کہ "سافٹ پاور اور اس کے ہتھیار کیا ہیں؟ چوتھا، یہ کہ عالمی طاقتوں کے سیاسی و معاشی ایجنڈے اور 2030 کا باہمی تعلق کیا ہے؟ پانچواں، یہ کہ 2030 کے مقاصد، ان میں موجود ابہامات، اس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور معترضین کے دلائل کیا ہیں؟

1۔ سماجی نظام میں تعلیم کا مقام و کردار

قومیں تہذیب کے دامن میں پرورش پاتی ہیں تہذیب ہی کے سائے میں زندہ رہتی ہیں اور اسی تہذیب کی بدولت اقوام عالم میں پہچانی جاتی ہیں۔ اور جب کسی قوم کی تہذیب مٹ جائے یا اسے مٹا دیا جائے تو وہ قومیں خود بخود ہلاک ہو جاتی ہیں چاہے اس کے افراد زندہ و تعداد میں کتنے زیادہ ہی کیوں نا ہوں۔ ان کی زمانے میں کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی اقوام عالم میں ان کا کوئی ذکر ہوتا ہے بلکہ اس متروک یا مغلوب تہذیب کے لوگ نئی

تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی تہذیب مضبوط ہو تو قوم کو زمین سے آسمان کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔ اور صدیوں کے بعد بھی بابل، موئن جو داڑو، یونان و مصر جیسی تہذیبی آثار ناپید قوموں کی عظمت کی گواہی دے رہی ہوتی ہیں۔ سومائل نے تہذیب کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے "تہذیب ایک ثقافتی وجود ہے۔ دیہات، خطے، نسلی گروہ، قومیتیں، مذہبی گروہ، سبھی ثقافتی فرق کی مختلف سطحوں پر الگ الگ ثقافت رکھتے ہیں۔ 1 یہ وہ اجزاء ہیں جن سے مل کر ایک تہذیب وجود میں آتی ہے۔ ان عناصر کی ہماری اسلامی تہذیب میں ترکیب باالفاظ دیگر ہمارے سوشل سسٹم کی کیمسٹری کا صحیح ادارک انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اس ترکیبی وجود کے عناصر کی شناخت کے بعد ہمارے لئے اس کی حفاظت آسان ہو جائے گی۔ ہم اس کو نقصان پہچانے والے داخلی مسائل یا بیرونی سازشوں یا عالمی حالات و سیاسی بیانیوں میں تبدیلی کے نتیجے میں ہماری سالمیت کو درپیش مسائل کو بہتر طور پر سمجھنے اور ان کے مناسب حل نکالنے میں مددگار ہو گی۔

جیسے کی ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہماری اسلامی تہذیب میں سب سے اہم عنصر مذہب کا ہے۔ اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس کا اپنا عالمی تصور یا ورلڈ ویو ہے۔ جس کی رو سے زمین کا اصل حاکم اللہ تعالی ہے۔ جس نے انسان کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ معین کیا۔ اور اس کی ہدایت کے لئے انبیاء اور ان کے ساتھ انسانوں کی ہدایت، معاشروں میں عدل و انصاف کی برقراری کے لئے کتاب نازل کی جس میں ایک کامل سماجی نظام کے لئے ضروری حکومتی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی قوانین کو بیان فرمایا[2] اور ان کی تکمیل و تفسیر کے لئے سنت و عقل کو بھی حجت قرار دیا۔ تہذیب جتنی اعلیٰ اخلاقیات اور فطرت کے ساتھ سازگار ہو اتنا ہی اس قوم کا وقار بلند ہوتا ہے پیغمبر اسلام ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے عرب بادیا نشین غیر مہذب قوموں میں شمار کیے جاتے تھے ان کے پاس ناہی حکومتی نظام تھا، ناں ہی معاشرتی نظم کو برقرار رکھنے والے قوانین اور ناہی اعلیٰ اخلاقی اقدار یں جیسے کہ امام علی علیہ السلام نے لوگوں کو اسلام کی عظمت سمجھانے کے لئے ان کی بعثت رسول سے پہلے کی حالت زار کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا "بعثت اس وقت ہوئی ہے جب لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جن سے ریسمان دین ٹوٹ چکی تھی۔ یقین کے ستون ہل گئے تھے۔ اصول میں شدید اختلاف تھا اور امور میں سخت انتشار۔ مشکلات سے نکلنے کے راستے تنگ و تاریک ہو گئے تھے۔ ہدایت گمنام تھی اور گمراہی بر سر عام۔، رحمان کی معصیت ہو رہی تھی اور شیطان کی نصرت "ایمان یکسر نظر انداز ہو گیا تھا" اس کے ستون گر گئے تھے اور آثار نا قابل شناخت ہو گئے تھے "راستے مٹ گئے تھے اور شاہراہیں بے نشان ہو گئی تھیں۔ لوگ شیطان کی اطاعت میں اس کے راستے پر چل رہے تھے۔ یہ لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جنہوں نے انہیں پیروں تلے روند دیا تھا اور سموں سے کچل دیا تھا اور خود اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ لوگ

فتنوں میں حیران و سر گرداں اور جاہل و فریب خوردہ تھے۔ پروردگار نے انہیں اس گھر (مکہ) میں بھیجا جو بہترین مکان تھا لیکن بدترین ہمسائے۔ جن کی نیند بیداری تھی اور جن کا سرمہ آنسو۔ وہ سرزمین جہاں عالم کو لگام لگی ہوئی تھی اور جاہل محترم تھا"[3] لیکن اسلام نے آکر ان کو دنیا کی بہترین قوم بنا دیا جو دوسری قوموں کے لئے بھی نمونہ قرار پائی جس کو قرآن نے یوں فرمایا "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (110:3)۔

اسلام نے جس چیز سے اس غیر مہذب قوم کو مہذب ترین قوم میں بدل دیا وہ اس کا اعلیٰ فطریات اور عقلیات سے ہم آہنگ سماجی نظام تھا جس میں ایک جدید اور باکمال عالمی تہذیب کے تمام عائلی، سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی اصول موجود تھے۔ یہ اسلامی تہذیب جہاں بھی گئی اس نے اس قوم کو شناخت بھی دی، عزت و سروری بھی، برصغیر میں مسلمانوں کی ہزار سالہ اسلامی حکومت اسی تہذیب کا نتیجہ تھی، اسی تہذیب کی بدولت دو قومی نظریے نے جنم لیا جس نے برطانوی استعمار کے پنجوں میں جکڑی ہوئی قوم کو آزادی دلوائی، اس لئے پاکستان کے خمیر میں اسلامی تہذیب ملی ہوئی ہے۔ پاکستانیت کا وجود اسلامیت کے بغیر ادھورا بلکہ بے معنی ہے۔ پاکستان کی بقاء و ترقی کا حل بھی اسی تہذیب سے وابستہ ہے۔ اسلامی تہذیب کے خلاف ہر قسم کی سازش در واقع پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازش ہے۔

تعلیمی نظام ہر تہذیب کا تولیدی عضو ہوتا ہے۔ تعلیم میں رسمی تعلیم اور علم، مہارت، اور رویوں کی غیر رسمی ترسیل دونوں شامل ہیں۔[4] قومی کاروان میں پرانے افراد بوڑھے ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں، اور ایک نئی نسل ان کی جگہ لے لیتی ہے۔ لیکن اس قوم کی ثقافت ایک زندہ وجود ہے جو اس قومی پیکر میں خون کی مانند جاری و ساری رہتی ہے۔ اس قومی ثقافت کی عمر افراد کی عمر سے بہت زیادہ طولانی ہوتی ہے کیونکہ یہ کئی نسلوں اور کئی صدیوں پر محیط ہوتی ہے اور اس کی طولانی عمر کا راز تعلیمی نظام میں ہے۔ یہی تعلیمی نظام ہے جو ایک نسل کے لوگوں کی راہ و رسم اور علم کو بعد کی نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔ انسانی ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ثقافت میں ردوبدل کا عمل جاری رہتا ہے، لیکن اس کے بنیادی اجزاء جیسے قومی اعتقادات و نظریات، مذہبی و سماجی مراسم، اخلاقی بنیادی اقدار اور طرز عمل کے نمونوں کا ایک قابل تسلسل عمل ہوتا ہے جو اسے دوسری ثقافتوں سے ممتاز کرتا ہے۔ جو چیز اس قومی و تہذیبی تسلسل یقینی بناتی ہے وہ اس کا اپنا تعلیمی نظام ہے جس کی تشکیل میں معاشی ضروریات کے ساتھ ساتھ تہذیبی امور کو ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرتا ہے۔

اسی لیے تعلیمی ماہرین اس بات کہ معترف ہے کہ "یہ معاشرتی تبدیلی اور سماجی کنٹرول کا ایک طاقتور ذریعہ ہے"[5] اور اسی تعلیمی نظام کے ذریعے ایک قوم کی تہذیب کو بدل کر اسے اپنا تابع بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی خودی کو بے خودی

میں، طرز زندگی کو دوسروں کی تقلید، فیصلوں کو دوسروں کی مرضی میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ یہی تعلیمی نظام کی خاصیت ہے۔ بقول و ٰبرمارکس کے تعلیمی ادارے انسان ساز فیکٹر ٰیاں ہیں۔ ان میں اپنے مزاج و فکر کے انسان بنائے جاتے ہیں۔ اگر تعلیمی نصاب اپنی ثقافت کو چھوڑ کر دوسری تہذیب و ثقافت کی ترویج کرنے لگے تو اس ملک کی اپنی تہذیب نابود ہوجاتی ہیں، جو جو اسکول سسٹم اور تعلیمی نصاب میں اختلاف اور ڈائیورسٹی بڑھتی جاتی ہے معاشرے میں لوگوں کے درمیان فکری اختلاف بڑھتا جاتا ہے اور قوم معاشرتی اعتبار سے طبقات اور سیاسی افکار کے لحاظ سے گروہوں اور جماعتوں میں بٹتے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان موجود ایک قوم اور ایک تہذیب کا تصور جو کسی قوم کے اتحاد کی بنیادی شرط ہوتی ہے آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہر طبقہ اور جماعت اپنے طرز تفکر سے لائف اسٹائل اپناتا ہے اور اسی انداز سے معاشرے و ملک کے نظام کو چلانا چاہتا ہے۔ اس طرح ملک کے اندر ہمیشہ کے لئے ناختم ہونے والا فکری اور تہذیبی تنازع کھڑا ہو جاتا ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی چیز سے ہوشیار کیا ہے کہ مختلف افکار اور تہذیبوں کے پیچھے مت چلو متفرق ہو جاؤ گے ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ گے۔ "وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ" (153:6)۔ ہر شخص و گروہ اپنے مفادات کی فکر میں لگ جاتا ہے وطن سے محبت اور قوم کی خدمت کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں ملک دشمن طاقتیں باآسانی سیاست دانوں، بانفوذ شخصیات اور اداروں میں مختلف بہانوں جیسے کبھی سیاسی حمایت، تو کبھی مالی اور علمی و صنعتی ترقی میں مدد سے نفوذ پیدا کر لیتی ہیں اور ان کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرتی ہیں۔ اور اگر ضرورت پڑے تو ان ہی کے ذریعے ملک میں سیاسی بحران اور دہشتگردی کے ذریعے ملک میں حرج و مرج پیدا کر دیتی ہیں۔

مغرب کو اس کا بخوبی ادارک بھی ہے اور تجربہ بھی۔ جمیلہ علم الہدی[6] جو بہشتی یونیورسٹی کی استاد اور تعلیم و تربیت کے موضوع پر کئی علمی کتابوں اور مقالات کی مصنفہ بھی ہیں، تعلیمی نصاب پر ٰ برگزار ہونے والی ورکشاپ میں اپنی گفتگوں میں　　فرماتی ہیں "کلونیزم کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ۔ سامراجی اور استعماری حکومتیں کسی بھی ملک پر اپنا کنٹرول جمانے کے بعد سب سے پہلے ایسے مفت یا سستی تعلیم کا بندوبست کرتے تھے جو ان کی تہذیب کی عکاسی کرتا انہی کی ز ٰبان میں بنا ہوتا تھا۔ اس لئے جن جن ایشیائی، عرب، افریقی اور جنوبی امریکا کے ممالک میں برطانوی، فرانسیسی اور اٹالین استعماری حکومتوں نے اپنی کالونیاں بنائیں وہاں سب سے پہلے اپنی ز ٰبان میں تعلیمی نظام کو عام کیا۔ اس لئے۔ اور آج بھی ان ممالک کے لوگ اپنی قومی ز ٰبان کے ساتھ ساتھ استعمار کی ز ٰبان بولتے ہیں اور ان کے پولیٹکل، سوشل سسٹم انہی استعماری اصولوں پر چل رہا ہے۔ ان کے لائف اسٹائل پر مغربی کلچر کے آثار نمایاں ہیں۔"

2۔ پوسٹ کولڈ وار ارا (Post-cold war era)

90ء کی دہائی میں سوویت یونین کی تحلیل اور سرد جنگ کے خاتمے سے دنیا میں ایک نیا سیاسی خلا پیدا ہوا جس نے غربی بالخصوص امریکی مفکرین کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اب دنیا کا نیا عالمی نظام کیسا ہونا چاہیے۔ پرانے عالمی بیانیے اب ناکارہ ہیں کیونکہ سوویت یونین ختم ہو چکا ہے اور دنیا کو ایک نئے یونی پولر نظام کی ضرورت ہے۔ اس عالمی صورت کو مختلف عالمی سیاسی و سماجی ماہرین نے اپنی تصانیف اور تحقیقات میں منعکس کیا ہے۔ سیمیول ہنٹنگٹن کے بقول "عالمی سیاست ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے، اور دانشوروں نے "آخر یہ کیا ہوگا؟" اس کے نظریہ کو پھیلانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی"[7] اس بارے میں آرفرڈ کچھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں "ان حالات سے لگتا ہے کہ اب دنیا ایک نئے بین الاقوامی قانون (سوشل سسٹم) کے لیے آمادہ ہے ایک ایسا قانون جو سرد جنگ کے زمانے میں بنائے گئے قوانین سے مختلف ہو۔ جوناڈیوڈسن اس بارے میں اپنے مقالے میں فرماتی ہیں: کالڈور (1999) اور فوکیویاما (2004) جیسے اسکالرز یہ سمجھتے ہیں کہ سوویت یونین کے خاتمے کے عالمی مسائل پر گہرے اثرات پڑے ہیں، جن میں نئے تنازعات اور سیکیورٹی کے مسائل شامل ہیں۔[8]

یہ نیا نظام کیسا ہونا چاہیے؟ اس حوالے سے مفکرین نے مختلف نظریات پیش کئے جن میں سے ایک فوکو یاما ہیں جنہوں نے اینڈ آف ہسٹری کا نظریہ پیش کیا ہے اس نظریے میں "انہوں نے لبرل جمہوریت کی حتمی فتح کا اعلان کیا اور استدلال کیا کہ "یہ بنی نوع انسان کے نظریاتی ارتقاء اور انسانی حکومت کی آخری شکل کا حتمی نقطہ بن سکتا ہے اور اس طرح تاریخ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔" اپنے مضمون میں، انہوں نے یہ کہتے ہوئے لبرل ازم کی فتح کا جشن منایا کہ دوسرے تمام آئیڈیولوجیز پر، لبرل ریاستیں داخلی طور پر زیادہ مستحکم اور بین الاقوامی تعلقات میں زیادہ پر امن ہیں۔"[9] ان کا مدعی یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت صرف ایک ہی انسانی نظام باقی ہے جس کے مطابق دنیا کو چلایا جا سکتا ہے اور یہ نظام لبرل ڈیموکریسی ہے یعنی ویسٹرن لبرل ڈیموکریسی۔ مغربی تہذیب میں جدید دور کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہے اور یہ بہترین سماجی و حکومتی نظام ہے جو دنیا کو ترقی دے سکتا ہے اور امنیت کا ضامن بن سکتا ہے لہذا دنیا کی باقی قوموں کو لبرل ڈیموکریسی قبول کرنی چاہیے اور ویسٹرن تہذیب اپنا لینی چاہیے۔

واضح سی بات ہے اس نظریے کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا میں امریکی اجارہ داری کو مضبوط کیا جائے حقیقت میں یہ پرانے کولونائزیشن کی ایک نئی عالمی اور گلوبلائز صورت ہے جو موجودہ حالات اور مسائل کی وجہ سے سامنے آئی ہے لیکن جلد ہی خود امریکی مفکرین کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ نظریہ اتنا جاندار نہیں بقول سیلسن اونر کے "he states his arguments without a strong basis and with a lack of evidence."[10] کیونکہ

دنیا میں بہت سی تہذیبی اور سیاسی نظام موجود ہیں جو کبھی بھی اس سیاسی نظام اور نئی عالمی تہذیب کو قبول نہیں کریں گے جیسے اسلام کی اپنی 14 سو سالہ شاندار تہذیب اور سیاسی نظریہ ہے چائنا کا اپنا کلچر اور سیاسی نظام ہے، عرب ممالک میں ابھی تک موروثی بادشاہی نظام چل رہا ہے یہ تمام سیاسی نظام نظریاتی طور پر مغربی لبرل ڈیموکریسی کے ساتھ نہ صرف تضاد رکھتے ہیں بلکہ ان ملکوں کی تہذیبیں بھی مغربی تہذیب سے مختلف ہیں اور مغرب میں رائج بہت سیاسی، سماجی اور اخلاقی اقداریں این تہذیبوں میں ضد اقدار سمجھی جاتی ہیں۔ لہذا اس تہذیبی تضاد کی موجودگی میں ایک عالمی سیاسی، سماجی اور ثقافتی نظام کا قیام ناممکن ہے۔

3۔ تہذیبی ٹکراو (Clash of Civilizations)

سیمیول بھی فوکویاما کی طرح دنیا پر امریکی عالمی حکومت کی آرزو رکھتے ہیں، لیکن وہ اس بات کی طرف متوجہ تھے کہ دنیا میں مغربی تہذیب کے علاوہ اور بھی تہذیبیں ہیں۔ جن میں ایک عالمی حکومت کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں یا ان کے ہوتے ہوئے مغربی اقداروں پر بنے ہوئے ایک عالمی سماجی نظام کا امکان نہیں اور ان کی موجودگی میں امریکا کا عالمی حکومت کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر نا ہوگا۔ لہذا انہوں نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ آیندہ کی جنگ معاشی یا سیاسی نظاموں کے لئے نہیں ہوگی بلکے تہذیبوں کے درمیان ہوگی۔ یہ میرا قیاس ہے کہ اس نئی دنیا میں تنازعات کا بنیادی ماخذ سیاسی بیانیہ یا معاشی نظریہ نہیں ہوگا۔ سیمیول ہنٹنگٹن نے کیونکہ سیاسی نظریات اور معاشی تنازع کے مقابلے تہذیبی تنازع کو اہمیت دی؟ اس کی وجہ واضح ہے۔ انسانی سماج میں رائج سماجی و اخلاقی اقداریں، انسٹی ٹیوشنز یا اداروں کے مقاصد، قوانین، دوسرے اقوام سے تعلقات کی نوعیت اور ترجیحات کو تہذیب تعین کرتی ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قومیں تہذیب کے دامن پر ورش پاتی ہیں تہذیب ہی کے سائے میں زندہ رہتی ہیں اور اسی تہذیب کی بدولت اقوام عالم میں پہچانی جاتی ہیں۔ اور جب کسی قوم کی تہذیب مٹ جائے یا اسے مٹا دیا جائے تو وہ قومی خود بخود ہلاک ہو جاتی ہیں چاہے اس کے افراد زندہ و تعداد میں کتنے زیادہ ہی کیوں نا ہوں۔ ان کی زمانے میں کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی اقوام عالم میں ان کا کوئی ذکر ہوتا ہے بلکہ اس متروک یا مغلوب تہذیب کے لوگ نئی تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں۔

سیمیول نے اس نظریہ کے ذریعے عالمی حکومت کا منصوبہ رکھنے والی طاقتوں کو ان کی راہ میں موجود اصل رکاوٹوں کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان رکاوٹوں کے مصداق کو بھی بیان کیا ہے۔ تاکہ ان حریف طاقتوں کو بھی پہچان لے۔ اس لیے وہ اس پالیسی ساز آرٹیکل میں آگے چل کر بغیر کسی جھجک کہ اسلام اور چائینز تہذیبوں کو مغربی تہذیب کا سب بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے ان کی آئندہ عالمی پالیسیوں کی سمت و سو کا بھی تعین کرتے ہیں۔[11] اس بات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اسلامی تہذیب کے ہوتے ہوئے کبھی بھی مغربی لبرل تہذیب کو

عالمی تہذیب کے طور پر عالم اسلام پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ایک ایسی عالمی پالیسی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے دنیا میں مغربی لبرل تہذیب کے رواج کے لئے راہ ہموار کی جائے۔ ان تمام مفروضات اور ان کے محکم دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ۔ 2030 در واقع اس قسم کی عالمی حکومت بنانے کا ایک منظّم ایجنڈا ہے۔ جس کے انسانی معاشروں، ان کے سیاسی، سماجی، معاشی، عائلی نظاموں اور ان کی دینی، سماجی اور اخلاقی اقداروں پر بہت گہرے منفی اثرات ہوں گے۔ جس کو کو مختلف مکاتب، نظاموں کی پیروی کرنے والے ناقدین کے اس پالیسی پر تنقیدیں جائزوں، شدید رد عمل اور اس دستاویز پر اٹھائے جانے والے اہم علمی و فکری سوالات سے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان کی روشنی میں اس پالیسی کا سنجیدگی جائزہ لینا ہمیں ایک ایسی غلط حکمت عملی سے بچاسکتا ہے جس کے اثرات ہماری تہذیب، ریاست اور ہماری آنے والی نسلوں کو کسی بڑے شناختی اور حیثیت بحران میں دھکیل سکتا ہے۔

4۔ عالمی طاقتوں کے سیاسی و معاشی ایجنڈے اور 2030 کا باہمی تعلق

انسان غریزی طور پر ہر چیز کو اپنی بقاء اور ارتقاء کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی غریزی جذبہ ہی اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اسی جذبہ کی وجہ سے اپنے آغاز زندگی سے انسان درختوں و حیوانوں کو اپنی خوراک کے لئے استعمال کرنے لگا، انہی کی مدد سے اپنے لیے گرمی و سردی سے بچاو کے لئے لباس اور بارش پانی اور درندوں کے حملوں سے بچنے کے لئے کبھی زمین اور کبھی غاروں میں آشیانے بنائے۔ اپنے جنسی سکون کے لئے اپنے ہی ہم ذات سے مل کر (جس میں خداوند نے اس کے لئے کشش بھی رکھی اور اس کی نئی نسل کی تولید و پرورش کی صلاحیت بھی) خاندان کو تشکیل دیا۔[12] اس طرح خاندان اور قبائل وجود میں آئے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا اور اس میں موجود سیکھنے اور سمجھنے کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے انسان کے علم و تجربات میں بھی بڑھتا گیا۔ جس کی بدولت انسان میں موجود دوسروں کو تسخیر کی قابلیت بھی بڑھتی گئی۔ جوں جوں ان تسخیری وسائل میں اضافہ ہوتا گیا دوسروں کو اپنی خدمت کے لئے استعمال کرنے کے اس غریزی جذبہ میں بھی شدت آتی گئی۔ خاندان سے قبیلے، قبیلوں سے قومیں وجود میں آئیں اور ہر مرحلہ میں جو انسان افرادی، وسائل اور علم و تجربہ کے اعتبار سے قوی تھے انہوں نے ضعیفوں کو اپنی ماتحتی میں لینا شروع کردیا۔ کیونکہ یہ جذبہ ہر انسان میں تھا، اس لیے ان میں ناختم ہونے والا اختلافات اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

لہٰذا عدل و انصاف کے ساتھ ہر انسان کے حقوق کی فراہمی اور صلح و امنیت کی برقراری کے لئے قوانین کی ضرورت محسوس کی گئی۔ انسان نے بھی قوانین بنائے اور اسے پہلے خالق انسان (جس کو اپنی مخلوخات کی تمام صفاتوں کا بھی پتا تھا اور اس کی ایک سعادت مند زندگی ضروریات کا بھی) نے تمام اعلی انسانی صفات کے حامل انسانوں کو بہ عنوان

پیامبر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ انسانی سماج کے لئے قوانین بھی۔[13] انسان کے بنائے ہوئے قوانین اس کی کم علمی اور خود غرضی اور نسلی و قومی تعصب کی وجہ سے انسانی معاشروں عدل و انصاف فراہم کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ اور جب بھی انسانوں نے، انسانی نظاموں کو الٰہی نظاموں پر ترجیح دی، فرعونی، استبدادی اور استعماری جیسے ظالم نظام وجود میں آئے جن کا صرف ایک ہی مقصد تھا وہ دوسروں کو اپنی غلامی میں لے کر ان سے خدمت لینا۔

عصر حاضر میں علوم کی ترقی، پیشرفتہ وسائل کی ایجاد اور عالمی اداروں کی تاسیس نے جہاں انسانیت کی خدمت اور قوموں کے باہمی اختلافات کو حل کرنے کے موقع فراہم کیے، وہاں ہمیشہ کی طرح اسی غریزے کی وجہ سیاسی، معاشی اور ٹیکنالوجی کی قدرت رکھنے والے ملکوں اور ملٹائی نیشنل کمپنیوں کو یہ موقع دیا کیا کہ وہ دوسری ضعیف ملتوں کو تسخیر کرکے اپنی عزائم کے لئے استعمال کرے۔ لہٰذا انہیں اپنے معاشی وسیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے ایک ایسے عالمی قوانین کی ضرورت تھی جس کے ذریعے قوموں کو ایک پائیدار فکری، سماجی، معاشی تبدیلی کے ذریعے اپنا تابع بنایا جاسکے۔2030 کے مقاصد، اس کے مختلف شعبہ حیات کے لئے بنائے جانے والے قوانین کی ماہیت اور اس پر ناقدین کے دلائل۔ جن کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ سب کے سب اس نظریہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

5۔ سوفٹ پاور اور اس کے ہتھیار

صحیح سیاسی حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے نئے بیانیوں اور عالمی اداروں کی جانب سے سیاسی، سماجی، حقوق بشر اور تعلیمی شعبوں میں نئی پالیسیوں کو دنیا میں رونما ہونے والی سیاسی، معاشی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھا جائے اور کسی بھی پالیسی کو اجراء کرنے سے پہلے بیان شدہ وسیع تناظر میں، اس کے ملکی سالمیت، سماجی و معاشی نظام پر پڑھنے والے اثرات کا اندازہ لگایا جائے۔ اور یہ اطمینان حاصل کیا جائے کہ ان کا اجراء ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ہوگا اور اس کا بہترین طریقہ ایسے موقعوں پر ایک ایسے قومی فورم کی تشکیل ہے جس میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین و مفکرین کے زیر نظر اس پالیسی کا کامل جائزہ لینا ہے۔ جیسے کہ ہم اس سے پہلی بحث میں بیان کرچکے ہیں کہ انسان غریزی طور پر دوسروں کو اپنی خدمت میں لینا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے آغاز سے قبیلوں اور قوموں کے درمیان طاقت کے حصول اور دوسروں پر تسلط کی خاطر جنگوں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ لیکن ہر دور میں جو بات نئی تھی وہ، جنگی ہتھیار اور حربے تھے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور انسانی سماج کا مسلم قانون ہے جس سے گریز ممکن نہیں۔ اور یہ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس بقاء کی جنگ میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے ہمیشہ ہوشیار رہا جائے اور عصر جدید کی جنگی حکمت عملیوں اور اس کے ہتھیاروں کو پہچانیں۔ اس سیاق و سباق میں ہم سافٹ پاور کیا ہے؟ اور اس کے موٴثر ہتھیار کون سے ہیں؟ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

بیسوی صدی کی آخری دو دہایوں بالخصوص 9/11 کے بعد امریکی اور غربی سیاسی ماہرین ایک جدید عالمی حکمت عملی کی ضرورت کا احساس کر رہے تھے۔ تاکہ دنیا میں آنے والی نئی سیاسی، معاشی اور میڈیا کے شعبہ میں انقلابی تبدیلیوں اور صورتحال (جس میں خود ان مغربی عوام میں امریکی جنگی جنون کے خلاف بڑھتی ہوئی مخالفت، ایشاء اور عالم اسلام کی نسبت مخاصمانہ اور جنگی پالیسیوں کی وجہ سے امریکہ مخالف جذبات میں شدت اور چین کی تیزی سے ابھرتی ہوئی معاشی طاقت) میں اپنی متزلزل عالمی سیادت و قیادت کو برقرار رکھ سکیں۔ اس جدید عالمی نظام کی تشکیل کے لیے دو نسخے تشخیص دیے گئے ایک "لبرل ڈیموکریسی" اور دوسرا "مغربی تہذیب" کا فروغ تھا۔

لہٰذا سب نے دیکھا کہ گذشتہ دو، تین دھائیوں میں مغربی مفکرین بالخصوس امریکی ماہرین سیاست، مفکرین اور عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں، اقوام متحدہ جیسے عالمی اداروں (کہ جن پر مغربی حکومتوں کی اجارہ داری اور کامل اثر ورسوخ کسی سے پنہاں نہیں) کی جانب سے بین المللی مسائل و مشکلات کے حل کے لئے نئے نئے نظریات، نئی عالمی اسٹراٹیجی اور پالیسیاں سامنے آئیں۔ ان میں ہر مفکر اور ادارے نے اپنی ایکسپرٹیز، شعبہ تحقیق اور اپنے کام کے محدودہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ صورتحال کو بہتر بنانے اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور ترقی کی بات کی لیکن سب کا اصل مقصد ایک ہی تھا اگرچہ طریقہ کار الگ الگ اور وہ دنیا کی قوموں اور ان کے وسائل پر اپنا کامل کنٹرول۔

ان سیاسی حکمت عملیوں اور نظریات میں سب سے زیادہ شہرت جس نظریہ کو ملی وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اور امریکی وزارت خارجہ سے تعلق رکھنے والے جازف نائی کا "سافٹ پاور کا نظریہ تھا" مسٹر جازف اپنے نظریہ اور اس کے کام کرنے کے طریقے کو اس طرح بیان کیا ہے" نرم طاقت کیا ہے؟ یہ اپنے مقاصد کو لالچ یا دھمکی کہ بجائے جذابیت سے حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ یہ طاقت کسی ملک کی ثقافت، سیاسی نظریات، اور پالیسیوں سے نشات پاتی ہے۔ جب ہماری پالیسیاں دوسروں کی نظر میں جائز و مشروع دکھائی دیے تو، اس کا مطلب یہ کہ ہماری نرم طاقت میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ کے پاس یہ طاقت ایک طویل عرصہ سے موجود تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر یورپ میں فرینکلن روزویلٹ کی چار آزادیوں کے اثرات۔ ریڈیو فری یورپ پر امریکی موسیقی اور خبروں کو شوق سے سننے نوجوانوں؛ تیانمین اسکوائر میں چینی طلباء کی جانب سے مجسمہ آزادی کی نقل تیار کرکے اپنے مظاہروں کی علامت بنانا۔

2001ء میں نئے آزاد ہونے والے افغان باشندوں کی طرف سے حقوق کے بل کی کاپی طلب کرنا اور آج جو ایرانی نوجوان اپنے گھروں میں چھپ کر امریکی غیر قانونی ویڈیوز اور سیٹیلائٹ ٹیلی ویژن کی نشریات کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں یہ سب امریکی سوفٹ پاور کی مثالیں ہیں۔"[14] اس نظریہ کی روح سے کسی ملک کی ثقافت اور تعلیمی نظام اس کے نرم ہتھیار ہیں۔ جن کی مدد سے کوئی بھی ملک دوسرے ملک میں، دھونس و دھمکی یا

طاقت کے استعمال کے بغیر اپنے سیاسی و معاشی مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک عزیز کے تعلیمی اور ثقافتی شعبہ میں امریکا اور عالمی اداروں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور مالی و تعلیمی معاونت انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اسی سیاسی ایجنڈے کا تسلسل ہے۔

6۔ مقاصد، ابہامات، اعتراضات اور دلائل

2030 پالیسی کے مقاصد، متشابہہ عبارات اور اس پر معتقدین کے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد جو نتائج سامنے آتے ہیں، ان کو نکات کی صورت میں اپنے اہل فکر و تدبیر قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں:

ا۔ ریاستی خود مختاری کے خلاف ایک نئی عالمی سازش

ناقدین کے دلائل اور اعتراضات کا بغور مطالعہ کرنے کی بعد اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ SDGS مقتدر سرمایہ دار طاقتوں کی ایک عالمی حکومت کا مقدمہ ہے، اس لیے مختلف ذی نفوذ اور مقتدر قدرتوں کی جانب سے اس عالمی تحریک کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی گئی ہیں۔ فیملی واچ انٹرنیشنل کی صدر شارون سلاٹر نے اس بات کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے "یہ کوئی راز نہیں ہے کہ ایس ڈی جیز کے مدّ نظر اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی سماجی، سیاسی اور معاشی ترقی کے شعبوں میں اپنی من پسند بنیادی تبدیلیاں لانا ہے، جن کے بہت ہی دور رس اثرات مرتب ہونگے۔ اسی وجہ سے، اقوام متحدہ کی ایجنسیاں، حکومتیں، بین الاقوامی ادارے، بڑے لابنگ گروپس، کاروباری، ارب پتی مخیّر حضرات، تعلیمی ادارے، سماجی انصاف کے کارکنان، سول سوسائٹی گروپس، اور دیگر اپنے نظریات کو آگے بڑھانے کے لئے ایس ڈی جی کو تشکیل دینے کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں- اور اس سلسلے میں اپنے تمام مالی و علمی اور سیاسی رسوخ استعمال کر رہے ہیں جو بہت سے معاملات میں، انتہائی متنازع ہیں۔[15]

رابرٹ ڈیوڈ اسٹیل یونسیکو کی غیر جانبداری کو رد کرتے ہوئے اس کو ایک مخصوص سرمایہ دار طبقہ کا آلہ کار کہتے ہیں۔ "اقوام متحدہ کی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم (یونیسکو)، اقوام متحدہ کا ایک بے ایمانی اور غیر فعال عنصر ہے۔ جو سیکرٹری جنرل کو جوابدہ نہیں ہے، نا ہی ان کا خصوصی ایجنسیوں پر کوئی کنٹرول ہے۔ اس ادارے کو دنیا کے لوگوں کی خدمت کی کوئی فکر نہی یہ صرف اپنے مالدار ڈونرز کے مفادات کا محافظ ہے۔ تعلیمی نظام پر نظر ثانی: کے ذریعے عالمی مسائل میں بہبود و بہتری؟ ایک پروپیگنڈا دستاویز ہے۔ "ہومنٹیرین" کا بیانیہ صرف ایک عالم گیر ہدف تک پہنچنے کا وسیلہ ہے جس کے تحت تمام اقوام عالم کو مغرور طاقتوں کے سہارے کارپوریٹ فاشسٹ ایجنڈے میں تبدیل کرنا چاہتا ہے"[16]

ii۔ ملکی آئین اور اجرائی قوانین میں اصلاحات کا مطالبہ خطرہ کی گھنٹی

کسی بھی ملک کے آئین اور قوانین میں ایسی اصلاحات کا مطالبہ جس سے اس قوم کی تہذیبی، دینی اور سماجی اقداروں کی نفی، تضعیف یا تضحیک ہوں، اور ان کی جگہ نئے سماجی قوانین اور اقداریں لے لیں، حقیقت میں ایسی اصلاحات اس ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ یہ وہ خطرہ ہے جس کا ناقدین نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے۔ (SDGS) کے مقاصد کی نوعیت اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان قانونی اصلاحات کا مقصد ایسے تمام سماجی، معاشی اور حقوقی قوانین کو تبدیل کرنا ہے جو ہماری اسلامی ثقافت، قومی روایتوں کے پاسدار ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ہمارا دینی اور قومی تشخص قائم ہے۔ کیونکہ یہ قوانین ان کے پنہاں مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہیں لہٰذا ان کو بہت ہی غیر محسوس طور پر ترقی، حقوق بشر اور برابری اور انتہا پسندی کے خاتمے کا نام پر تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔

محترمہ شارون اپنے تنقیدی جائزہ میں اس 2030 کیے مقاصد اور اسے ممالک کے آئینوں پر پڑھنے والے اثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں "ایجنڈے کے 17 بنیادی مقاصد اور 169 اہداف ہیں، جنہیں اجتماعی طور پر "پائیدار ترقیاتی اہداف" (SDGS) کے نام سے جانا جاتا ہے، اس ایجنڈے کے تحت متعدد بلند مقاصد طے کیے گئے جن سے اگلے 15 سالوں میں اقوام متحدہ اور ممبر ریاستوں کی پالیسیاں، پروگرامنگ اور اخراجات چلانے کی توقع کی جاتی ہے۔ ایس ڈی جی کے ذریعے بہت سارے شعبہ حیات میں قانونی اصلاحات لانے کی توقع کی جارہی ہے، اور اربوں ڈالر کی فنڈنگ سے دنیا بھر کے ممالک میں ان کے نفاذ میں مدد ملے گی۔[17]

ملکی آئین میں ایسی تبدیلی جس سے ہماری تہذیبی، ثقافتی اقداریں اور دو قومی نظریہ جو اس مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کا اصلی سبب اور اس کی بقاء کا ضامن ہے غیر قانونی قرار پائے، جس کا مطلب ملکی سالمیت کو خطرہ سے دوچار کرنا ہے۔ یہ اس پالیسی کا سب سے نمایاں منفی پہلو ہے جسے مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی سیاسی و سماجی شخصیات نے بیان کیا ہے بقول شارون سلاٹر" منفی پہلو میں، ان تصورات کو آگے بڑھانے والے پوشیدہ حوالہ جات پورے 2030 کے ایجنڈے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ نیز، اقوام متحدہ کے مذاکرات کے دوران، کنبے کے تحفظ، خاندان کے کردار کو تسلیم کرنے، اپنے بچوں کے حوالے سے والدین کے حقوق اور کردار کو تقویت دینے، اور مذہبی اور ثقافتی اقدار کے احترام کی ترغیب دینے والی دفعات کی شمولیت کے لیے متعدد ممبر ممالک کی جانب سے بار بار مطالبہ کے باوجود مسترد کردیا گیا تھا"[18]

iii۔ آزادی کی آڑ میں ریاست کے نظریاتی مخالفین کا تحفظ

آزادی انسان کا فطری حق ہے، جسے اللہ تعالی نے اس کے وجود میں ارادہ جیسی صفت کے زریعہ رکھا ہے۔ اور ہر مذھب اور آئین میں اس حق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن کائنات، انسان اور معاشرتی زندگی کے بارے میں بنیادی تصورات میں ایک دوسرے سے اختلاف ہونے کی وجہ سے۔ اس کی حدود و ثغور کے تعین میں ایک دوسرے سے فرق کرتے ہیں۔ اسلیے ہر ملک میں آزادی بیان، سیاسی و مذھنی حقوق کی تعریف اور حدود میں فرق ہے۔ اور ریاستی خود مختاری پر قائم عالمی نظام کی بقاء اور عالمی تنازعات سے بچنے کا طریقہ یھی ہے کہ، ریاستی آئین میں مداخلت نا کی جائے اور ان کا احترام کیا جائے۔ لیکن 2030 کے کچھ اھداف کا من و عن اجراء ہماری ریاستی سالمیت کیلیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ جس کی ایک مثال اس پالیس کا ہدف نمبر 10 و 16 ہیں جس کو "FUNDAMENTAL FREEDOMS" عنوان دیا گیا ہے۔ جس کے مطابق دنیا کے ہر ملک قومی قانون سازی اور بین الاقوامی معاہدوں کے مطابق معلومات تک عوامی رسائی اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ اور ایجنڈا 2030 پیراگراف 19: ہم اقوام متحدہ کے میثاق کے موافق، نسل، رنگ، جنس، اور کسی بھی زبان، مذہب، سیاسی یا دوسری رائے، قومی یا معاشرتی اصلیت، املاک، پیدائش، معذوری یا دوسری حیثیت۔ امتیاز کے بغیر، سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام، تحفظ اور فروغ دینے کے لئے، تمام ریاستوں کی ذمہ داریوں پر زور دیتے ہیں۔[19]

iv۔ اسلامی تہذیب پر کھلی یلغار

ہر ذی شعور اور تہذیبوں کے درمیان فاحش اختلاف اور اس کے کسی بھی آزاد ریاسیت کی سالمیت پر خطرناک آثرات سے آگاہ انسان اس پالیسی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پھچتا ہے کہ یہ پالیسی ہماری اسلامی تہذیب اور اخلاقی اقداروں پر یلغار ہے۔ "متعدد شرائط جو 2030 کے اقوام متحدہ کے ایجنڈے کے نتائج کی دستاویز میں ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی ایسی اصطلاحات ہیں جو عام طور پر ہم جنس پرستوں، ہم جنس پرستوں اور ٹرانسجینڈر حقوق کو آگے بڑھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ سوچنا بھی غلط ہوگا کہ ان شرائط کا شامل ہونا ریاستہائے متحدہ، یوروپی یونین، اور دیگر ممالک کی طرف سے جان بوجھ کر نہیں تھا جن پر جارحانہ طور پر زور دیا گیا تھا، لیکن وہ اس میں شامل ہونے میں ناکام رہے، ایسی شقیں جو ایس ڈی جی اہداف میں ایل جی بی ٹی کے حقوق کو فروغ دیتی ہیں۔ اور اہداف۔ در حقیقت، امریکہ سمیت متعدد ترقی یافتہ ممالک کے حکومتی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ ایل جی بی ٹی کے حقوق کو دوسرے ممالک میں فروغ دینا اولین خارجہ پالیسی کی ترجیح ہے"[20]

۷۔ خاندانی نظام کی تضعیف، جنسی بے راہ روی اور اخلاقی فساد کی قانونی حمایت

اسلامی تہذیب کی بقاء کا ایک اہم راز اس کا مظبوط عائلی نظام اور اخلاقی اقداریں ہیں۔ جس کو اس پالیسی کے زریعے کامل طور حقوق و تعلیم کے نام پر بے اثر یا نابود کرنے کی کوشش کی گئی ہے، "اقوام متحدہ کی ایس ڈی جی مذاکرات کے دوران رونما ہونے والے مباحثوں سے یہ بات واضح ہے کہ کچھ ترقی یافتہ ممالک اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں نے ایس ڈی جی کے متعدد اہداف کی ترجمانی کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ متنازعہ جنسی اور اسقاط حمل کے حقوق، ایل جی بی ٹی حقوق، اور جنسی استحصال کے جامع تعلیم کے حق کو۔ والدین کی معلومات اور رضامندی کے بغیر۔اجرا کیا جاس کے۔ لہٰذا، ریاستوں کو یہ یقینی بنانے کے لئے اقدامات اٹھانا چاہئے کہ SDGS میں ظاہر ہونے والی بہت سی مبہم اور کھلی ہوئی شرائط کو خاندانوں کے لئے نقصان دہ طریقوں سے غلط تشریح نہیں کیا جائے گا، یا اس سے بچوں کی معصومیت کو ختم کیا جائے گا۔[21]

مثال کے طور پر، اس پالیسی میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ (I) بچوں کے اندر ایل جی بی ٹی کی نسبت مثبت رجحان پیدا کیا جائے (II) بچوں کو والدین کی رضامندی کے بغیر اسقاط حمل اور (ناجائز اولاد کی) پیدائش کیلیے سہولیات فراہم کی جائے (III) جامع جنسی تعلیم کے نام پر ان میں جنسی بے راہ روی کو رواج دینے پر زور دیا گیا ہے۔ ان تجاویز کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کو ایک ایسی راہ پر ڈالنا ہے جس کے بعد نا تو عائلی نظام باقی رہے گا اور نا ہی ہماری اسلامی اور مشرقی اقداریں بلکے معاشرے پر ہوس رانی، شہوت پرستی، بے حیائی کا راج اور لاواث حرام زادے، بے سر پرست بچوں کی بہرمار ہوگی۔ اور جب اس فقیر معاشرے میں کوئی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوگا تو یہ بے گنا ہ معصوم بچے خطرناک مجرم اور سفاک و بے رحم قاتل بن کر معاشرے کے امن کو تہ و بالا کردے گے۔ " THE WORLD FAMILY MAP" کی سال 2017 کی رپورٹ ہمارے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔

اس رپوٹ میں ناجائز تعلقات کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اس کے نتیجے میں خاندانی نظام اور بچوں کی زندگی پر پڑھنے والے منفی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سروے کے نتائج بھت پریشان کن ہیں۔ اس کے مطابق "اس سال کی تحقیق کا موضوع ناجائز تعلقات بچوں کی زندگی عدم استحکام کے بڑھاوں کا سبب ہے۔ امریکہ اور 16 یورپی ممالک میں سروے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ بچے جن کی ولادت والدین میں شادی کے بغیر ہوئی ہوتی ہے۔ 12 سال کی عمر میں ان کے والدین ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں جبکہ شادی کے بعد تشکیل پانے والے خاندان کے بچے اس آفت و محرومی سے محفوظ رہتے ہیں۔ 100 ممالک کی بارے میں موجود اطلاعات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ جن ممالک میں خاندان شادی کے بعد تشکیل پاتے ہیں وہاں کا فیملی سیٹم ان ممالک کی نسبت جھاں لوگ شادی کے بغیر ہی بچے پیدا کرتے ہیں، بہت مستحکم ہے۔ 68 ممالک کے سروے سے یہ

بات سامنے آئی ہے کہ ناجائز جنسی تعلقات کے بڑھتے ہوئے رجحان سے خاندانی نظام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی اور یا بغیر شادی کے بچوں کی پیدائش کا خاندانی نظام کے استحکام اور بہبود یا عدم استحکام سے گہرا تعلق ہے۔"[22]

vi۔ مغربی فلسفہ و نظریہ زندگی کے مطابق ذہنی تربیت

تعلیمی ادارے وہ مقدس درسگاہ ہیں جہاں سے نئے علمی نظریات بیان، نئی ایجادات کشف، قومی لیڈر پروان چڑھتے اور قومی ثقافت کو پر و بال ملتے ہیں۔ لیکن آج ہمارے اکثر تعلیمی ادارے ان خصوصیات سے خالی نظر آتے ہیں۔ یہاں اپنے نہیں دوسروں کے نظریات رٹائے جاتے ہیں، نئی ایجاد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے بجائے انہیں دوسروں کی تقلید سکھائی جاتی ہے اور کلچرل ایکٹیوٹیز کے نام پر انہیں دوسروں کی تہذیب میں ڈھالا جاتا ہے۔ آج ہماری یونیورسٹیز سے اچھے سائنسدان یا مفکر نہیں بلکے دوسرے کو کارخانوں کو چلانے والے اچھے ورکر اور لیبر پاس آوٹ ہوتے ہیں، جن کا سارا ہم و غم کسی مغربی ملک میں نوکری کی تلاش ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہماری تعلیمی پالیسی آزاد نہیں ہے، بلکہ اس پر اغیار کا کنٹرول ہے۔ ہماری نئی نسلوں نے کیا پڑھنا ہے، کیسے پڑھنا ہے، کن اقداروں کو اپنانا ہے ، خلاصہ ہماری علمی و تہذیبی تقدیر کا فیصلہ دوسرے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم آزاد نہیں ہیں، اس میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ترقی و سروری آزاد قوموں کا نصیب بنتی ہے۔ جب وہ ایجوکیشن ایجنڈے پر اتنا زور دیتے ہیں تو واضح طور پر تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمارے ملک سمیت دوسرے ممالک پر اپنے نظام کو مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ایجنڈے کی ہدایات ، سفارشات اور اہم نکات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تعلیمی نظام طلباء کے فکر افکار کو اس انداز میں تشکیل دے کہ ان کا فلسفہ اور نظریہ زندگی مغربی فلسفہ کے مطابق ڈھل جائے۔

vii۔ مبہم اور ذو معنی تعبیرات کے ذریعہ متنازعہ مقاصد کا حصول

پالیسی کے اصل محرکین نے اس بات کے پیش نظر کہ اس کی بہت سے پالیساں ریاستوں کے سماجی ، سیاسی اور معاشی قوانین کے ساتھ متضاد ہیں۔ اور وہ ریاست پر حکومتی کنڑول کو ضعیف کرتی ہیں۔ جانبوجھ کر ان میں ابھام رکھا ہے اور ایسی اصلطاحات کا استعمال کیا ہے یا تو اس کے مختلف معنی اور تفاسیر کی جا سکتی ہیں یا ان کے معنا میں اتنی وسعت ہے کہ ان کی مدد سے متنازعہ شقوں کو شامل کیا جاسکے۔ جس کا ایک نمونہ " INCLUSIVE" اور "INCLUSION " ہیں۔ یہ الفاظ 2030 کے ایجنڈے میں 40 بار اور خاص طور پر اہداف اور اہداف میں پانچ بار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر لوگ "جامع" کی اصطلاح کو مثبت سمجھتے ہیں اور کسی گروہ کو ترقی سے باز نہیں رکھنا چاہتے ہیں، لیکن یہ اصطلاح ایل جی بی ٹی کے حقوق کو فروغ دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نکتے

کی وضاحت کے لئے اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور دیگر اداروں کی درج ذیل مثالوں پر غور کریں: "ایل جی بی ٹی انکلوژن اور معاشی ترقی کے مابین تعلقات،" کے عنوان سے یو ایس ایڈ کی 2014 کی ایک رپورٹ، "، ہم جنس پرست، لیسبین اور ٹرانس جینڈر کے سماجی شمولیت کی وجہ سے 39 ممالک میں معاشی ترقی پر پڑھنے والے اثرات کا تجزیہ کرتی ہے۔[23]

(GLSEN)، ریاستہائے متحدہ میں ایک بڑی ایل جی بی ٹی رائٹس آرگنائزیشن کے پاس، "ایل جی بی ٹی انکلوژن کلاس روم وسائل تیار کرنا،" کے عنوان سے ایک اشاعت ہے، جو "تمام طلباء کے لئے جامع اور تصدیق نصاب" کے بہترین طریقوں کی فراہمی کرتی ہے۔ اسباق میں "گے، ہم جنس پرست، لیسبین اور ٹرانسجینڈر (ایل جی بی ٹی) لوگوں، تاریخ اور واقعات کی مثبت نمائندگی شامل ہیں" اور طلباء کو "ایل جی بی ٹی - جامع نصاب" کی نمائش کرتے ہیں۔ ورلڈ بینک کی اس رپورٹ کے صفحہ 70 کے عنوان سے جن میں "شمولیت کے معاملات: مشترکہ خوشحالی کی فاؤنڈیشن" لکھا گیا ہے کہ "ہم جنس پرست، ہم جنس پرست، بایوسیکس اور ٹرانسجینڈر (ایل جی بی ٹی) افراد کو بہت سے، اگر زیادہ تر نہیں تو، ثقافتوں میں خارج کرنے کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" اس رپورٹ کے صفحہ INDICATES میں اشارہ کیا گیا ہے، "کچھ شناختوں کو جنہیں کچھ عشروں قبل سماجی خارج یا شمولیت کے ذرائع کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا آج بھی ایسی ہی شناخت ہے۔"[24]

viii۔ دوہرے معیار کی سیاست

اقوام متحدہ کی 75 سالہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس عالمی ادارے اور اس کی پالیسیوں پر ہمیشہ مقتدر قوتوں کا اثر و رسوخ رہا ہے۔ اور انہوں نے اس کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ چاہیے مسئلہ کشمیر ہو یا فلسطین کی آزادی یا بوسنیاں و رنگون میں مسلمانوں کی نسل کشی یا موجودہ حالات میں بھارتی مسلمانوں کے خلاف ریاستی سرپرستی میں مذہبی استحصال اور ان کو ان کے بنیادی انسانی حقوق سے بدخلی کا مسئلہ۔ ایسے موقع پر اقوام متحدہ اور عالمی طاقتیں مجرمانہ خاموشی اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جب اسلامی ممالک کی بات آتی ہے تو، ہمارے کسی بھی داخلی مسائل میں مداخلت اور ریاستی و تہذیبی اقداروں کو نقصان پہچانے والے عناصر اور پالیسیوں کی شدت سے حمایت کرتے ہیں۔ ہمارے آئین سے لے کر، تعلیمی نظام میں بنیادی تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے لئے عالمی اداروں کے زریعے حکومتوں پر سیاسی و معاشی دباو ڈالا جاتا ہے۔ اور ہماری حکومتوں کی طرف سے اپنے موقف میں کوئی خاطر خواہ حرکت نظر نہیں آتی جبکہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت کی حکومت اپنے قومی و مذہبی مفادات کی حفاظت کے لئے کسی عالمی دباو میں نہیں آتی اور کسی بھی عالمی اداروں کے قوانین اور ایجنڈوں کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس وقت عملی طور پر نریندر مودی نے پوری دنیا کو آگے لگا رکھا ہے اور سارے عالمی متوقع رد

عمل کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے جو کرنا تھا کر لیا ہے اور ابھی جو کرنا ہے وہ بھی کر گزرے گا۔ بھارتی پارلیمنٹ میں اس کی مختصر سی تقریر بھارت کے مستقبل کا سارا منظر نامہ واضح کر رہی ہے۔

ادہر دہلی، جہاں یہ سب کچھ پوری شدت سے ہو رہا ہے۔ امریکہ، مغرب، یورپ، ایمنسٹی انٹر نیشنل، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور اقوام متحدہ' سب خاموش ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ مودی نے کہا ''ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندوؤں کی طرح رہو۔ کوئی اقلیت، خواہ وہ کہیں سے بھی ہو' اگر وہ ہندوستان میں رہنا چاہتی ہے، یہاں کام کرنا چاہتی ہے، یہاں کھانا پینا چاہتی ہے' تو پھر اسے ہندوستانی زبان بولنی ہو گی' ہندی، گجراتی، پنجابی، بنگالی اور جنوبی ہندوستان کی زبانیں بولنا ہوں گی اور ہندوستان کے قوانین کا احترام کرنا ہو گا۔ اگر انہیں شریعت کے مطابق قوانین پسند ہیں اور وہ مسلمانوں والی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہم انہیں آگاہ کر رہے ہیں کہ ایسا کرنے کے لئے انہیں چاہئے کہ وہ وہاں چلے جائیں جہاں کی ریاستیں انہیں یہ سہولت فراہم کر سکتی ہوں۔

ہندوستان کو مسلم اقلیت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ان اقلیتوں کو بھارت کی ضرورت ہے لیکن ہم انہیں کوئی خصوصی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ ہم انہیں اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمارے قوانین میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیوں کا مطالبہ کریں۔ ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ وہ کتنی بلند آواز میں شور و غل کرتے ہیں اور نسلی و مذہبی امتیاز کے بارے میں آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم اپنی ہندو ویدک تہذیب کی بے عزتی اور بے ادبی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔۔۔ جب معزز قانون ساز اسمبلی نئے قوانین وضع کرے تو اس کے ذہن میں ہونا چاہئے کہ بھارت کا قومی مفاد ہر شے پر مقدم ہو اور وہ یہ بات ان کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ مسلم اقلیت کا تعلق بھارت سے نہیں ہے'' 25 بھارتی وزیر اعظم کی اس تقریر نے عالمی طاقتوں اور اداروں کی دوہری سیاست سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اور اس میں ہمارے حکمرانوں کے لئے بھی پیام ہے کہ وہ اپنے کسی قومی اور تہذیبی مسائل میں بیرونی دباو کو قبول نا کرے۔ اور کوئی بھی ایسی پالیسی جو اس کے لئے خطرناک ہوں اسے اپنے تہذیبی و قومی مفاد میں رد کر دے۔

ix۔ حکومت، قانونی ماہرین اور متعلقہ اداروں کی ذمہ داری

متقدین سب نے اپنی اپنی تقاریر اور تنقیدی جائزہ میں اس بات کی تاکید کی ہے: تعلیمی، سماجی و قانونی ماہرین اور والدین کی یہ زمہ داری ہے کہ اس ایجنڈے میں ملکی خود مختاری، قومی سالمیت، اعلی انسانی و اخلاقی اقداروں، عائلی نظام اور بچوں کو درپیش مخفی اور بکھرے ہوئے خطرات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اس کی روک تھام کے لیے متناسب راہ عمل پیش کرے۔ اور اپنے معاشرتی، تہذیبی تقاضوں اور عصری ضروریات کو مدّنظر رکھتے

ہوئے ایک مناسب اور جامع تعلیمی پالیسی پیش کرے اور دوسروں کو اس بات کی ہر گز اجازت نا دے کہ وہ اپنی مرضی سے ان کے سیاسی، معاشی اور سماجی امور اور آنے والی نسلوں کے بارے میں فیصلے کرے۔

x۔ خود مختاری اور آزادی کی حفاظت ضروری

اقوام متحدہ کے 2030 کا ایجنڈا ممبر ممالک کے لئے الزامی نہیں، یعنی حکوتیں اس کو من و عن اجراء کرنے کی پابند نہیں (ہمارے خیال میں یہ تنہا قانونی راہ ہے جس کو ضایع نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کو استعمال کرتے ہوئے، اس ایجنڈہ سے کامل طور پر کنارہ کشی کرنی چاہیے تاکہ اس کے مضرات سے بچا جاسکے)۔ بہر حال، اس کو عملی کرنے کی صورت میں ملکی قوانین اور پالیسیوں پر گہرا اثر پڑے گا کیونکہ اس کے بھت سے مقاصد میں قومی قانون سازی میں قانونی اور قومی پالیسیوں میں تبدیلی لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

*****

حوالہ جات

1.Samuel P. Huntington," The Clash of Civilization?" Foreign Affairs, Vol. 72, No. 3 (summer, 1993) 23.

2۔ محمد حسین، طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، ج4 (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1420ھ) 106۔

3۔ سید محمد، رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی (گولہ گنج لکھنو، تنظیم المکاتب، 2005ء) 17۔

http://alhassanain.org/urdu/?com=book&id=399

4.Kenneth R. Conklin," EDUCATION TRANSMITS A CULTURE" plus a quick look at the separatist agenda of some Native Hawaiian education initiatives) (c) Copyright 2002-2004, http://www.angelfire.com/hi2/hawaiiansovereignty/edtransmitsculture.html

5.KNOWLEDGE AND CURRICULUM, BHARATHIDASAN UNIVERSITY TIRUCHIRAPPALLI – 620 024:28.

6.http://jamileh.alamolhoda.com/

7.Huntington, The Clash of Civilizations: 22.

8. Joanna Davidson,"Humanitarian Intervention as Liberal Imperialism: A Force for Good? ", POLIS Journal Vol. 7, summer 2012 ISSN 2047-7651.page no.129.

9.Davutoglu, Ahmet, "The Clash of Interests: An Explanation of the World (Dis) order", Perceptions, December 97-February98:92.

10.10 Selcen oner, A BRIEF ANALYSIS OF FUKUYAMA'S THESIS "THE END OF HISTORY: 9.

https://archive.org/details/THEENDOFHISTORYBySelcenONER/page/n5/mode/2up

11.Huntington, The Clash of Civilizations: 26.

12۔ حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، 2-116۔

13۔ (پہلے) سب انسان ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (پھر جب ان میں باہمی اختلاف پیدا ہوئے) تو خدا نے انبیاء بھیجے۔ (جو نیکوکاروں کو) خوشخبری دینے والے (اور بدکاروں) کو ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی (جس میں قانون تھا)۔ تاکہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کرے اور یہ اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو وہ (کتاب) دی گئی تھی اور وہ بھی تب کہ جب کھلی ہوئی دلیلیں ان کے سامنے آچکی تھیں۔ محض بغاوت اور زیادتی کی بناپر۔ تو خدا نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو ان اختلافی باتوں میں راہِ حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ سورہ بقرہ: 213۔

14.Nye, Jr., Joseph S. "Soft Power" The means to success in world politics, New York: Public Affairs, 2004:9.

15.Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, the Hidden Threats to Life, Family, and Children:4.

FamilyWatchInternational.org.

16.Robert David Steele, "USESCO's 2030 document seeks to make children slaves of the hegemon" May 15, 2015.

http://english.khamenei.ir/news/4818/UNESCO-s-2030-document-seeks-to-make-children-slaves-of-the-hegemon.

17.Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA: 5.

18.https://www.usaid.gov/sites/default/files/documents/15396/lgbt-inclusion-and-development-november-2014.pdf.

19.Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA: 5.

20.Ibid.

21.ibid.

22.https://worldfamilymap.ifstudies.org/2017/files/WFM-2017-FullReport.pdf:20.

23. https://www.usaid.gov/sites/default/files/documents/15396/lgbt-inclusion-and-development-november-2014.pdf

24.Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, page no 10.

25۔ منافقت۔ خالد مسعود خان:

https://daleel.pk/2020/03/01/131374

کتابیات

1) Huntington, Samuel P. " The Clash of Civilization? " Foreign Affairs, Vol. 72, No. 3 ,Summer, 1993

2) طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القران، ج4، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1420ھ۔

3) رضی، سید محمد، نہج البلاغہ، ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی، گولہ گنج لکھنو، تنظیم المکاتب، 2005ء۔

4) Conklin, Kenneth R. " EDUCATION TRANSMITS A CULTURE " plus a quick look at the separatist agenda of some Native Hawaiian education initiatives) (c) Copyright 2002-2004,
http://www.angelfire.com/hi2/hawaiiansovereignty/edtransmitsculture.html

5) KNOWLEDGE AND CURRICULUM, BHARATHIDASAN UNIVERSITY TIRUCHIRAPPALLI – 620 024.
http://jamileh.alamolhoda.com/

6) Huntington, The Clash of Civilizations.

7) Joanna Davidson, "Humanitarian Intervention as Liberal Imperialism: A Force for Good? ", POLIS Journal Vol. 7, summer 2012 ISSN 2047-7651.

8) Ahmet, Davutoglu, "The Clash of Interests: An Explanation of the World ,Dis)order", Perceptions, December 97-February98,

9) Selcen oner, A BRIEF ANALYSIS OF FUKUYAMA'S THESIS "THE END OF HISTORY?".
https://archive.org/details/THEENDOFHISTORYBySelcenONER/page/n5/mode/2up

10) طباطبائی، حسین، المیزان فی تفسیر القران۔

11) Joseph S.Nye, Jr., "Soft Power" The means to success in world politics, New York: Public Affairs, 2004,

12) Robert David Steele, "USESCO's 2030 document seeks to make children slaves of the hegemon" May 15, 2015.
http://english.khamenei.ir/news/4818/UNESCO-s-2030-document-seeks-to-make-children-slaves-of-the-hegemon.

13) Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA,